عقیدۂ توحید (۵)

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقی مرحوم

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فروعی قوانین کو منجمد رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ہر آمدہ وقت کی ضرورت کے پیش نظر ایسے قوانین کو استقرائی رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ قیامت تک مختلف ادوار اور متنوع اطوار میں پیش آنے والے مسائل تغیر پذیر تقاضوں کے عین مطابق حل ہوتے رہیں اور ہر نئے مسئلے کے حل کے لئے قرآن پاک وحدیث شریف سے مشابہ مسائل کی تلاش، بنی نوع انسان کے قوائے دماغیہ کی نشو ونما کے لئے اکسیر کا کام دیتی رہے۔

سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم بھی اسی حکمت کے تحت ہے، تربیت نبوی کے شرف سے فیضیاب خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نکتے کو خوب سمجھ چکے تھے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس اصول پر کاربند تھے۔

" ان أبا بكر اذا نزلت به قضية لم يجد لها فى كتاب الله أصلا ولا فى السنة أثرا قال: اجتهد برأيى فإن يكن صوابا فمن الله و إن يكن خطأ فمنى وأستغفر الله " یعنی کتاب وسنت میں نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔[طبقات ابن سعد]

مشہور تابعی فقیہ میمون بن مہران رحمہ اللہ کا بیان ہے: "كان أبوبكر إذا ورد عليه الخصم نظر فى كتاب الله، فإن وجد فيه ما يقضى بينهم قضى به ، وإن لم يكن فى الكتاب وعلم من سنة رسول الله ﷺ فى ذلك الأمر سنة قضى به، فإن أعياه خرج فسأل المسلمين وقال: أتانى كذا وكذا فهل علمتم أن رسول الله ﷺ قضى فى ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع إليه النفر كلهم يذكر من رسول الله ﷺ فيه قضاء ، فيقول ابوبكر: الحمد لله الذى جعل فينا من يحفظ على نبينا ، فإن أعياه أن يجد فيه سنة من رسول الله ﷺ جمع رؤوس الناس وخيارهم فاستشارهم، فإن اجتمع رأيهم على أمر قضى به۔" [سنن الدارمی ۱/ ۷۰]

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش ہوتا تو کتاب الٰہی کے تحت فیصلہ فرماتے، اگر وہ مسئلہ قرآن میں نہ ہوتا

تو سنت نبوی کے مطابق فیصلہ صادر کرتے، اگر انہیں اس مسئلے میں کوئی حدیث معلوم نہ ہوتی تو اہل اسلام سے پوچھتے، کیا آپ لوگوں کے پاس اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فیصلے کا علم ہے؟ کبھی تو آپ کے پاس صحابہ ﷺ کا گروہ پہنچ جاتا جن میں سے ہر ایک اس چیز سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ بیان کرتا۔ اس وقت آپ خوشی سے باغ باغ ہو کر اللہ کی حمد وثناء بیان فرماتے کہ امت میں سنت نبوی کے محافظ موجود ہیں۔ اگر کوئی حدیث نہ ملتی تو سرکردہ علماء اور اہل خیر سے مشورہ کرتے اور ان کے اتفاق کے مطابق فیصلہ صادر کر دیتے۔''

کوفہ کے مشہور قاضی شریح بن الحارث النخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں شرعی فیصلہ سے متعلق سوالات پوچھے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: (اقض بما فی کتاب اللّٰہ، فان لم یکن فی کتاب اللہ فبسنۃ رسول اللہ، فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقض بما قضی بہ الصالحون، فإن لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم یقض بہ الصالحون، فإن شئت فتقدم وإن شئت فتأخر، ولا أری التأخر إلا خیرا لک۔ والسلام علیکم)[سنن النسائی کتاب آداب القضاء، باب الحکم باتفاق اھل العلم ۸/۲۳۱]

سنن دارمی کی روایت میں کتاب وسنت کا حکم اور اہل علم کا تعامل نہ پانے کی صورت میں یہ وضاحت ہے: فاختر أی الأمرین شئت ان شئت أن تجتہد برأیک ثم تقدم فتقدم، وإن شئت ان تتأخر فتأخر، ولاأری التأخر إلا خیرا لک"[حدیث ۱۶۷، ۱/۷۱-۷۲]

''اس صورت میں تجھے دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا، یعنی اگر تم چاہو تو اپنے علم وفہم کے مطابق اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کا اقدام کرو، اور اگر چاہو تو اس معاملے میں اجتہاد کرنے کے بجائے فیصلے سے پیچھے ہٹو، اور میری رائے تو یہ ہے کہ ایسے معاملے میں جلد فیصلے کے بجائے تاخیر سے کام لینا تیرے حق میں بہتر ہوگا۔''

فقہائے اصحاب کرام ﷺ میں سے حضرت زید بن ثابت، عمار بن یاسر، ابی بن کعب اور ابن عباس ﷺ وغیرہ سے بھی منقول ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق مسائل نہایت اہتمام سے بیان فرماتے تھے۔ اور نئے پیش کردہ مسائل سے متعلق فتوی دینے میں تأمل کرتے اور جب کوئی مسئلہ عملا پیش آتا تو اجتہاد وقیاس سے کام لیتے تھے، ورنہ پیشگی فتاوی صادر کرنے کے

بجائے معاملہ ہر زمانے کے اہل علم پر چھوڑنے کی تاکید کرتے تھے۔ دیکھئے [سنن الدارمی ۱/۶۲،۶۳،۶۸،۷۱،۷۲]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کو کتاب وسنت میں مسئلہ نہ ملتا تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فتاوی بیان فرماتے، اگر وہ بھی نہ ملتے تو اپنے اجتہاد کے مطابق بیان فرماتے تھے۔ [الدارمی ۱/ ۷۱]

الغرض جمہور اہل اسلام قیاس شرعی کو صحیح اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: ''جمہور از صحابہ وتابعین وفقہاء ومتکلمین بان رفتہ کہ اصلے از اصول شریعت است استدلال میرود بداں بر احکام واردہ بسمع ظاہر یہ انکارش کردہ اند۔''

بعض اصحاب علم قیاس واجتہاد کی حجیت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غیر نبی کو یہ مقام کیسے حاصل ہو گیا کہ دین کی باتوں میں دخل اندازی کرے!!

یہ اعتراض بظاہر بڑا معقول اور وزنی لگتا ہے۔ مگر حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ اس لیے کہ موجب حکم شرعی مجتہد کا قیاس واجتہاد نہیں، بلکہ موجب اصلی وہی شرعی دلیل ہے جو قرآن کریم اور سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔ مجتہد کا کام صرف اتنا ہے کہ مسکوت عنہ مسئلے کی کڑی دلیل شرعی سے جوڑ دیتا ہے اور بس۔

مشہور فلسفی عالم قاضی ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد الحفید (ت ۵۹۵ھ) کہتے ہیں: ''وأما القياس الشرعي فهو الحاق الحكم الواجب لشيء ما بالشرع بالشيء المسكوت عنه لشبهه بالشيء الذي اوجب الشرع له ذلك الحكم أولعلة جامعة بينهما۔'' [بداية المجتهد ۱/۱۷]

یعنی مشابہت یا مشترکہ علت کی بنیاد پر کسی مسکوت عنہ چیز کو کسی ایسی چیز سے ملانا قیاس شرعی کہلاتا ہے، جس پر شریعت نے کوئی حکم عائد کیا ہو۔

نواب صاحبؒ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں: ''واما قیاس پس در اصطلاح فقہاء عمل نا معلوم بر معلوم است در اثبات حکم یا نفی او بامر جامع میان ہر دو از حکم یا صفت واختارہ جمہور المحققین۔''

مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ لکھتے ہیں: ''جب انسان کو کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے صراحۃً نہیں ملتا، تو وہ قرآن وحدیث میں اجتہاد واستنباط کرتا ہے، یہ استنباط قرآن وحدیث سے الگ نہیں کہلاتا۔ اسی طرح صحابیؓ کے اس قول کو جو اجتہاد واستنباط کی قسم سے ہو اس کو بھی قرآن وسنت سے الگ نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ قرآن وحدیث میں داخل سمجھنا چاہئے .....''

[ضمیمہ رسالہ اہلحدیث صفحہ: ۷] نیز لکھتے ہیں: ''رہا یہ شبہ کہ قرآن وحدیث کے سوا تیسری شے کس طرح حجت ہوگی؟ تو اس کا

جواب یہ ہے کہ تیسری شے ہے ہی نہیں۔'' [صفحہ:۴]

بلکہ جو حضرات اقوال صحابہ ﷺ اور ان کے اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے اور انہیں ماننے سے گریز کرتے ہیں، ان کی شکایت بایں الفاظ کرتے ہیں: ''آج کل کے بعض اہلحدیث اصل روش اہلحدیث سے کتنے دور ہیں! اللہ ان کو قریب کردے! آمین'' [صفحہ:۲۰]

عباد اور زھاد کا قیاس: اجتہاد کے لئے چند ناگزیر شرائط ہیں☆، جن میں وہ نہ پائی جائیں ان میں اجتہاد کی صلاحیت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اور ان کی کاوش کا ثمرہ بسا اوقات قیاس بمقابلہ نص یا قیاس مع الفارق ہی ہوتا ہے۔ لہذا ان کی بے تکی باتیں دین اسلام کے مصادر میں ہرگز شامل نہیں ہوسکتیں۔

☆ **شروط اجتهاد:** اجماع وقیاس کو حجت ماننے والے مجتہد کے لئے پانچ چیزوں کا علم ضروری قرار دیتے ہیں

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت نبوی (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) عربی زبان۔

۱۔کتاب اللہ: (۱) آیات احکام کا علم، جن کی تعداد ۵۰۰ ہے۔

اکثر کے نزدیک ان سب کا حفظ بھی ضروری شرط نہیں۔ بلکہ بوقت ضرورت تلاش کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔

(۲) کتاب کے اقسام کا علم یعنی: خاص وعام، مشترک ومجمل اور مفسر وغیرہ کا جاننا۔

(۳) ناسخ ومنسوخ کا علم۔

(۴) لغوی اور شرعی معانی کا علم۔

۲۔سنت نبوی: (۱) صرف احادیث احکام کا علم۔

ان کا حفظ بھی شرط نہیں، بلکہ اس کے پاس احادیث احکام کی کسی اصل کتاب کا وجود ضروری ہے، تاکہ بوقت ضرورت رجوع کرسکے۔

(۲) متن کی معرفت، اور قبولیت ورد کے لحاظ سے حدیث کی اقسام کا علم۔

(۳) سند کی معرفت اور جرح وتعدیل (اصول حدیث) کا علم۔

(۴) حدیث کے لغوی اور شرعی معانی کا علم۔

۳-اجماع امت: مجتہد کے لئے مواضع اجماع کا علم ضروری ہے، تاکہ کسی موقع پر اجماع کے خلاف فتوی صادر نہ کرے۔

امام شافعی نے اختلافی مسائل کا علم بھی ضروری قرار دیا ہے۔

۴-قیاس: اس کے شرائط، احکام اور ارکان کا علم ضروری ہے، تاکہ صحیح استنباط کرسکے۔ اور طرق استنباط (اصول فقہ) کا علم بھی ہونا چاہئے۔

۵- عربی زبان بعض علماء نے صرف، نحو، لغت، معانی اور بیان سب کا علم ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن عام طور پر لغت اور نحو کا علم ضروری قرار دیا جاتا ہے، تاکہ قرآن وحدیث کی عبارت کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ لغت اور عربی دانی میں اصمعیؒ اور خلیلؒ جیسے اعلیٰ پائے کے علماء کی طرح ہونا =

محض صوفیوں اور عباد و زہاد کی باتیں ہرگز قابل التفات نہیں ہوسکتیں۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے: ''عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست۔ ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و مر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالی مفوض داریم۔ ایں جا قول امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است، نہ عمل ابوبکر شبلی و ابوالحسن نوری وغیرہ۔''

قیاس بدعت نہیں ہے:

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ قیاس و اجتہاد قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ قرآن و سنت ہی کے علم و فہم کی روشنی میں غیر منصوص کی کڑیاں منصوص سے ملانے کا عمل ہے۔ اور یہ ایک شرعی حجت ہے۔ شرعی حدود کے اندر واقع ہونے والے قیاس و اجتہاد سے دین میں خلل یا اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس پر لفظ: ''بدعت'' کا اطلاق درست نہیں۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسی شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

''ولیس من شأن العلماء اطلاق لفظ "البدعة" علی الفروع المستنبطة التی لم تکن فیما سلف وان دقت مسائلها، فکذلک لایطلق علی دقائق الاخلاق الظاهرة والباطنة انها بدعة، لأن الجمیع یرجع الی أصول الشریعة۔'' [الاعتصام]

= ضروری نہیں، بلکہ بوقت ضرورت ائمہ فن کی کتابوں سے استفادہ کی صلاحیت ہونی چاہئے۔

۶-اخلاص نیت: صرف رضائے الٰہی کا حصول مطمع نظر ہونا چاہئے اور ہر قسم کے مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے پاک ہونا ضروری ہے۔ شہرت کی وجہ سے عام طور پر یہ شرط ذکر نہیں کی جاتی۔ **یہ شرط قرون اولی کے ہر مسلمان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ لیکن تقلید شخصی کے فروغ پانے کے بعد اس میں بتدریج کمی واقع ہوتی چلی آئی ہے۔** حتی کہ ہمارے اس دور میں **علمائے دین** کے اندر بھی یہ صفت **عنقا** نظر آتی ہے۔ الا ماشاء اللہ

دیکھئے: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۵۳۸-۵۴۵، بحوالہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ۷۱، ۷۴، ۷۶، عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید ۷، ۸، ۸۵، ۸۶، المستصفی من علم الاصول ۲/ ۲۵۰، التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج ۳/ ۲۹۲-۲۹۳، الارشاد الی مهمات علم الاسناد ۲۵۰ التوضیح علی التوضیح ۲/ ۱۱۷، کشف الاسرار شرح بزدوی ٤/ ۱۱۳۵، جمع الجوامع ۲/ ۳۸٤، مسلّم الثبوت مع فواتح الرحموت ۲/ ۳۶۲، الابهاج فی شرح المنهاج ۳/ ۱۷۵، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ۲۵۲، احکام الاحکام للآمدی ۳/ ۱۳۹ الموافقات للشاطبی ٤/ ۵۶، تقریر شیخ الاسلام الشربینی علی هامش جمع الجوامع] **(عبدالوهاب خان)**

''علماء کی شان سے بعید ہے کہ ان استنباط شدہ فرعی مسائل پر لفظ بدعت کا اطلاق کریں جو گزشتہ زمانے میں نہ تھے۔ اگرچہ ان کے مسائل نہایت دقیق کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح ظاہری اور باطنی اخلاق کی باریکیوں پر بھی لفظ بدعت کا اطلاق نہیں کیا جاتا، کیونکہ ان تمام کا اصل مرجع احکام شریعت کے بنیادی مصادر ہی ہیں۔''

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''وأما القياس والاجتهاد فليس من البدعة في شيء فانه مظهر لمعنى النصوص، لامثبت أمر زائد۔'' ''قیاس واجتہاد کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ قیاس نصوص کے معنیٰ کو ظاہر کرنے والا ہے، کسی زائد چیز کا اثبات کرنے والا نہیں۔'' (جاری ہے)

امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ

نام: امام ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة بن موسیٰ بن الضحاك السلمی البوغی الترمذی

ولادت: ۲۰۹ھ میں شہر ترمذ کی بستی بوغ میں پیدا ہوئے۔ اس شہر کے نام میں تین اقوال ہیں:

تِرمِذُ، تَرْمِذُ اور تُرمُذُ۔ ان میں سے ترمذ (بکسر التاء والمیم) مشہور ہے۔ یہ دریائے جیحون کے کنارے ماوراء النہر کا ایک پرانا شہر تھا۔ موجودہ زمانے میں دریائے جیحون کو آمو کہا جاتا ہے، یہ ازبکستان میں واقع ہے۔

طلب علم: قرآن مجید حفظ کرنے اور قواعد عربیہ سیکھنے کے بعد علم حدیث کی طلب میں مگن ہو گئے اور خراسان، عراق اور حجاز کا سفر کر کے وہاں کے محدثین کی ایک بڑی تعداد سے کسب فیض کیا۔ طلب علم کے دوران آپ کی بے مثال قوت حافظہ کے قصے مشہور ہوئے۔

اساتذہ: ان کے اساتذہ میں علی بن حجر المروزیؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، محمد بن بشارؒ، ابن المثنیٰؒ، نصر بن علی، امام مسلمؒ، ابو زرعہ اور دارمیؒ وغیرہ جلیل القدر محدثین شامل ہیں۔ لیکن آپ نے سب سے زیادہ جس سے استفادہ کیا وہ امام بخاریؒ ہیں۔ امام بخاری نے اپنے عزیز ترین شاگرد کی عزت افزائی کے لئے ان سے ایک حدیث کی سماعت بھی کی۔ پھر اس سے بڑھ کر مزید اعزاز عطا کرتے ہوئے فرمایا: ''ما انتفعت بك أكثر مما انتفعت بي''۔

تصانیف: انہوں نے طلاب علم کی تعلیم کے علاوہ تصنیف وتالیف کے ذریعے بھی علم حدیث کی خدمت انجام دی۔ ان کی تصانیف یہ ہیں: 1- الجامع 2- الشمائل النبوية۔ 3- العلل المفرد (الكبير) 4- الزهد 5- العلل الصغير (في آخر الجامع) 6- كتاب الصحابة 7- الآثار الموقوفة على الصحابة والتابعين 8- التاريخ 9- الأسماء والكنى

وفات: امام ترمذی نے 13 رجب 279ھ کو ترمذ میں وفات پائی- رحمه الله تعالى۔